انگلستان اور عربی علوم و فنون - ۲

(انیسویں صدی)

انیسویں صدی عیسوی میں یورپ کے تمام بڑے بڑے ممالک میں تحصیل علوم عربیہ کے سلسلے میں نمایاں ترقیاں ہوئیں۔ مصر پر نپولین کے حملے کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوا کہ مشرق قریب کے عرب ممالک یورپی سیاسیات میں پیش پیش رہنے لگے اور کئی صدیوں کے بعد عربوں اور فرنگیوں میں پھر براہِ راست رابطہ قائم ہوگیا۔ بہت سے یورپی سیاح مشرق کا سفر اختیار کرنے لگے اور مصری طلبہ کی روزافزوں تعداد مغربی یورپ کی یونیورسٹیوں میں داخل ہونے لگی۔ انھوں نے مغربی تمدّن اور طریقہ کا مطالعہ کیا اور اہل مغرب میں عربی تمدّن کے متعلق نیا ذوق و شوق پیدا کر دیا۔ یورپ کے استشراق میں جو نئی علمی تحریک پیدا ہوئی اُس کا سہرا اُن فرانسیسی اہل علم کے سر ہے جو نپولین کے ہم رکاب تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اُنیسویں صدی کے اوائل میں ماہرین علوم عربیہ کی حیثیت سے فرانسیسی اہل علم سب سے زیادہ نمایاں نظر آتے تھے۔ سلوستر دی ساسی (Silvestre de Sacy) نے جو فرانس کے ماہرین علوم عربیہ میں سب سے زیادہ بلند مرتبہ ہے، اپنے زمانہ میں قریب قریب ہر ملک و قوم کے اہل علم کو تعلیم دی۔

انگلستان میں بھی علوم عربیہ کے ماہرین کی ایک خاصی بڑی تعداد نظر آتی ہے۔ نئی قائم شدہ لندن یونیورسٹی میں عربی کی ایک نئی کرسی قائم کی گئی۔ رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے قیام سے (جو انگریز مستشرقین کی ایک انجمن ہے) علومِ شرقیہ کے لیے نیا جوش و ولولہ پیدا ہوگیا۔ انگلستان کے اُن اہل علم نے جو ہندوستان میں ہندی مسلمانوں کی زبانوں اور ان کی تہذیب کا مطالعہ کر رہے تھے یہ محسوس کیا کہ اس قسم کی علمی تحقیقات کے لیے ضروری ہے کہ عربی زبان سیکھی جائے جو تمام اسلامی تمدّن کا خواہ وہ کسی زبان میں ہو سرچشمہ ہے۔ خود عربوں میں جو ترقیاں رونما ہوئیں ان کی بنا پر انیسویں صدی کے ماہرین علوم عربیہ کی خدمات کو نئی قدر و قیمت اور اہمیت حاصل ہوگئی۔ انیسویں صدی میں عربی زبان بولنے والی اقوام کے قومی اور تمدّنی احیاء کا نیا دور شروع ہوا۔ ابتداء میں انھیں عربی زبان میں مطبوعہ کتابوں کے نہ ملنے بلکہ سرے سے چھاپہ خانوں ہی کے نہ ہونے کی وجہ سے بہت دقتیں اور رکاوٹیں پیش آئیں۔ اس طرح عربی کی پرانی مشہور کتابوں کے وہ متعدّد عمدہ نسخے جو یورپ میں شائع ہوئے اور

جن میں سے بہت سے انگلستان ہی میں طبع ہوئے، عرب قارئین کی نئی نسل کے لیے بہت مفید ثابت ہوئے اور ان کے ذریعے ان کو وہ مواد فراہم ہو گیا جو کہیں اور دستیاب نہ ہو سکتا تھا۔ کچھ دنوں بعد جب مشرق میں بھی مطابع قائم ہو گئے اور کتابوں کے نسخے مقامی طور پر طبع ہونے لگے تو یہ نسخے زیادہ تر یورپ کے مطبوعہ نسخوں پر مبنی ہوتے تھے۔ اس طرح مستشرقین نے عربوں کو خود ان کی اپنی تہذیب سے دوبارہ روشناس کرانے اور اُسے زندہ رکھنے میں اہم خدمات انجام دیں اور اب وہ احسان جو قرونِ وسطیٰ کے عربوں نے کتبِ یونانی کو مغرب میں پہنچا کر کیا تھا، یوں ادا ہو رہا تھا۔

اس تھوڑے سے وقت میں ہم صرف اتنا ہی کر سکتے ہیں کہ اِس دور کے متعدد انگریز ماہرین علوم عربیہ میں سے صرف چند بہت ہی نمایاں شخصیتوں کا ذکر کر دیں۔ عربی، فارسی کے عالم متبحر جے- ایچ - ہنڈلے (J. H. Hindley) (جن کی تالیفات میں زبان انگریزی میں مشہور عرب شاعر ابوطیب المتنبّی کی تاریخ حیات اور اس پر بحث و نظر شامل ہے) اور ایم، لسڈن (M. Lumsden) (جو ہندوستان میں فورٹ ولیم کالج میں عربی و فارسی کا پروفیسر تھا اور جس نے عربی صرف و نحو پر ایک کتاب تالیف کی جو انیسویں صدی میں یورپ اور ہندوستان میں بہت مستعمل تھی) کے پایہ کے علماء کا بھی اس سلسلے میں محض نام ہی لیا جا سکتا ہے۔ واضح رہے کہ ہندوستان میں انگریزوں نے تعلیم کی تنظیم کے سلسلے میں ابتداءً جو کوششیں کیں اُن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ ہندوستانی مسلمانوں کے لیے عربی تعلیم کا انتظام کیا۔ ان بہت سے انگریزوں میں سے جنھوں نے اس کام میں مدد دی ایک لسڈن بھی تھا۔ فورٹ ولیم میں جو ہندوستان میں پہلا انگریزی کالج تھا، عربی و فارسی کی دو کرسیاں تھیں۔

انیسویں صدی کے اوائل میں انگلستان ہی نہیں بلکہ یورپ میں سب سے بڑی شخصیت جو اپنے معاصرین سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھی، ای- ڈبلیو- لین (E. W. Lane) کی تھی جو ۱۸۰۱ء سے ۱۸۷۶ء تک زندہ رہا۔ کم سنی ہی میں لین (Lane) کو علوم مشرقیہ اور خصوصاً مصر سے والہانہ شوق پیدا ہو گیا تھا۔ جولائی ۱۸۲۵ء میں وہ اسکندریہ روانہ ہوا۔ یہ اس کا مصر کا پہلا سفر تھا۔ چونکہ اس زمانہ میں بحیرۂ روم کا سفر یوں ہی پُر خطر ہوتا تھا اس کا یہ سفر بھی خطرات سے خالی نہ تھا۔ ایک موقع پر اُس کا جہاز طوفانی ہوا میں گھر گیا اور کیپٹن کے کیے دھرے کچھ نہ ہو سکا۔ وہاں کوئی دوسرا ایسا موجود نہ تھا جو جہاز رانی کے متعلق کچھ بھی جانتا ہو۔ باوجود اس کے کہ لین (Lane) نے کبھی جہاز نہیں چلایا تھا وہ اسے خود ہی کھینے لگا اور محض ریاضی کی معلومات کی بناء پر اُس نے جہاز کو تباہی سے بچا لیا۔ اسی سفر میں بعد کو بغاوت کی وجہ سے بھی اُس کی جان خطرے میں پڑ گئی۔ غرض دو مہینے کے سفر کے بعد لین (Lane) مصر پہنچا جہاں اُس نے ۱۸۲۸ء کے موسم سرما تک قیام کیا۔ اس نے زیادہ وقت قاہرہ میں گزارا مگر دوسرے مقامات کا بھی سفر کیا۔ گو اس کی اصل غرض یہ تھی کہ وہ قدیم مصریوں کے بارے میں معلومات حاصل کرے مگر اُس نے فوراً ہی یہ محسوس کیا کہ ان کے موجودہ اخلاف کہیں زیادہ قابلِ التفات ہیں۔ اپنے قیام

کی ابتداء ہی سے اس نے عربی زبان کا گہرا مطالعہ شروع کر دیا اور بہت جلد ادبی اور روزمرّہ دونوں زبانوں میں دستگاہ حاصل کرلی۔ مشرق کے اس پہلے سفر میں جس کا وہ ایک عرصہ سے مشتاق تھا معنوی حیثیت سے اسے بہت اہم تجربات حاصل ہوئے۔ اس نے اپنے روز نامچوں میں لکھا ہے۔ "جب میں نے پہلے پہل اِس سرزمین میں قدم رکھا تو میں اس طرح جذبات سے بھرا ہوا تھا جس طرح کہ ایک مشرقی شوہر جو اپنی نادیدہ عروس کے منہ سے نقاب اُلٹ رہا ہو۔" لین (Lane) نے جو کچھ دیکھا اس سے وہ بہت متاثر ہوا اور اسلامی چیزوں کا شیدائی بن گیا۔

انگلستان واپس آنے تک اس نے مصر، ان کے باشندوں اور ان کی زبان کا گہرا مطالعہ کر لیا تھا اور مصری زندگی کے متعلق تفصیلی معلومات قلم بند کرلی تھیں۔ انگلستان واپس آنے پر اس سے خواہش کی گئی کہ جو کچھ اس نے وہاں دیکھا تھا، اسے شائع کرے مگر چونکہ اسے علمی صحت و دقّت نظر کا غیر معمولی پاس و لحاظ تھا جو اس کی تمام تالیفات کی خصوصیت ہے اُس نے اِس کتاب کے شائع کرنے سے پہلے مصر کا دوسرا سفر اختیار کرنا ضروری خیال کیا۔ وہ ۱۸۳۳ء سے ۱۸۳۵ء تک مصر میں رہا اور قاہرہ کی زندگی کا بہت گہری نظر سے مطالعہ کرتا رہا۔ جب تک وہ مصر میں رہا اس نے مصریوں ہی کا لباس پہنا اور مصری مسلمانوں کے سوا اُس نے کسی سے میل جول نہیں رکھا۔ اُس نے مصر میں اپنا ایک ذاتی مکان لے رکھا تھا اور وہ ہر حیثیت سے ایک مصری ادیب کی طرح رہتا تھا۔ ان باتوں کے علاوہ وہ صحت و روانی کے ساتھ عربی بول سکتا تھا اور اس کے خدوخال میں عربوں کی سی جھلک پائی جاتی تھی جس کی وجہ سے وہ باسانی مصریوں کی طرح رہ سکا اور قاہرہ کے مختلف مصری حلقوں کے ساتھ دوستانہ اور مساوی حیثیت سے میل جول رکھ سکا۔ اُس کے اکثر مصری دوست اُسے منصور آفندی کہا کرتے تھے۔

دوسری بار انگلستان واپس آنے پر اُس نے ۱۸۳۶ء میں اپنی کتاب "عہد حاضر کے مصریوں کے عادات و اخلاق" (An Account of the Manners and Customs of the Modern Egyptians) دو جلدوں میں شائع کی جس نے بہت شہرت پائی۔ یہ کتاب ایک شاہکار کی حیثیت سے ہاتھوں ہاتھ لی گئی۔ چنانچہ پہلی اشاعت دو ہی ہفتوں میں ختم ہو گئی۔ یہ کتاب متعدد بار شائع ہوئی۔ کئی بار جرمنی اور امریکہ میں بھی طبع ہوئی۔ انگریزی ادب میں اسے ایک سرمایہ خیال کیا جاتا ہے۔ اس کتاب میں قاہرہ کی زندگی اور وہ رسم و رواج تفصیل کے ساتھ پیش کیے گئے ہیں جو قاہرہ میں ان تبدیلیوں سے پہلے پائے جاتے تھے جنھوں نے اسے جدید طرز کا ایک شہر بنا دیا۔ اس بناء پر اسے عہد رفتہ کی ایک سچی اور جیتی جاگتی تصویر کہہ سکتے ہیں۔ یہ تاریخی لحاظ سے بہت اہمیت رکھتی ہے اور آج بھی اُن لوگوں کے لیے جو مصر کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں اُس کا مطالعہ ناگزیر ہے۔

انگلستان واپس آنے کے تھوڑے ہی عرصے بعد لین (Lane) الف لیلیٰ کا انگریزی ترجمہ کرنے میں لگ گیا۔ اس سے پہلے بھی اس کتاب کے ترجمے ہو چکے تھے جو بہت مقبول ہوئے تھے۔ لیکن وہ

علمی اور فنّی حیثیت سے صحیح نہ تھے۔ لین (Lane) نے اس امر کی کوشش کی کہ وہ اپنے ترجمہ میں اصل مفہوم اور ماحول کا پورا پورا لحاظ رکھے۔ اُس نے ترجمہ کے ساتھ ساتھ قرونِ وسطیٰ کے اسلامی رسم و رواج کے متعلق تفصیل کے ساتھ تشریحی حواشی کا اضافہ کیا جو بعد میں "قرونِ وسطیٰ میں عربوں کی زندگی" (Arabian Life in the Middle Ages) کے نام سے علیحدہ کتابی شکل میں شائع ہوئے۔
اس اثناء میں لین (Lane) کو ایک عرصہ تک ایک مبسوط عربی انگریزی لغت کی تیاری کا خیال رہا۔ اس سے پہلے یورپی زبانوں میں عربی کی جو لغتیں گولیس (Golius)، فریتاغ (Freytag) وغیرہ نے تالیف کی تھیں۔ وہ اگرچہ اپنے اپنے مقام پر کچھ نہ کچھ مفید ضرور تھیں مگر چونکہ ان کے لیے کافی مواد مہیا نہ ہو سکا تھا اس لیے متعدّد حیثیتوں سے ناقص و تشنہ تھیں۔ لین کا خیال یہ تھا کہ وہ عربی کی مستند پرانی لغتوں مثلاً تاج العروس وغیرہ کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد خود ایک مبسوط لغت مرتب کرے۔ جولائی ۱۸۴۲ء میں وہ اس خیال سے تیسری بار مصر گیا۔ وہ ۱۸۴۲ء سے ۱۸۴۴ء تک قاہرہ میں بارہ چودہ گھنٹے روزانہ کام کرتا رہا اور اپنے گھر سے بہت کم باہر نکلتا تھا۔ آخر کار جب اُس نے عربی لغات سے تمام ضروری مواد فراہم کر لیا تو اس نے انگلستان واپس آکر اپنی زندگی کے باقی پچیس سال اس لغت کی تکمیل میں صرف کر دیے۔ یہ واضح رہے کہ جو مواد اُس نے جمع کیا تھا وہ مطبوعہ یا باسانی دستیاب ہونے والا نہ تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ کام کس قدر دشوار تھا۔ عربی لغتوں کا مطالعہ جو بذات خود کچھ کم دشوار کام نہ تھا اس سلسلے کا پہلا قدم تھا کیونکہ ابھی چھان بین نظم و ترتیب اور وہ بھی منتشر مواد کو یورپی طرز پر منظم و مرتّب کر کے ایک مبسوط لغت کی شکل میں پیش کرنے کا کام باقی تھا۔ ۱۸۷۶ء میں اس کے انتقال کے وقت تک یہ کام پورا نہیں ہو پایا تھا لیکن وہ متعدّد جلدیں جو اس وقت تک شائع ہو چکی تھیں علومِ مشرقیہ میں ایک مفید اور قابلِ قدر اضافہ تھیں۔ آج بھی دنیا کو تسلیم ہے کہ ہر اُس شخص کے لیے جو عربی زبان کا مطالعہ کرنا چاہتا ہے یہ لغت ایک ناگزیر چیز ہے۔ اُس وقت سے آج تک یہی وہ بہترین لغت ہے جو دستیاب ہو سکتی ہے اور اسی سے یورپی زبانوں کی وہ بہت سی عربی لغتیں جو بعد میں شائع ہوئیں، ماخوذ ہیں۔

لین (Lane) اپنی آخری عمر میں ہر جگہ علومِ عربیہ کا استادِ اعظم مانا جاتا تھا جیسا کہ جرمنی کے ایک مشہور شاعر علومِ عربیہ نے اپنے ایک خط میں اُسے لکھا بھی تھا۔ یورپی ممالک کے صدر مقامات کی اکثر علمی انجمنوں نے اس کو اعزاز دے کر اس کے نام کو غیر فانی بنا دیا۔

اس عہد کا سب سے زیادہ ممتاز انگریز اہلِ علم اڈورڈ ہنری پامر (Edward Henry Palmer) ہے جو مشرق میں شاید شیخ عبداللہ کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔ پامر ۱۸۴۰ء میں کیمبرج میں پیدا ہوا اور ۱۸۸۲ء میں مصر میں فوت ہوا۔ یہ وہی سال ہے جس میں عرابی پاشا کی تحریک اُٹھی تھی۔

پامر میں بچپن ہی سے دوسری زبانوں کے سیکھنے کی غیر معمولی صلاحیت پائی جاتی تھی اور اس نے اسی زمانے میں فرانسیسی اور اطالوی زبانوں میں اتنی مہارت حاصل کرلی تھی کہ ان زبانوں کو روانی کے ساتھ استعمال کر سکتا تھا بیس برس کی عمر میں اس کی ملاقات ایک ہندوستانی مسلمان سیّد عبداللہ سے ہوئی جو کیمبرج یونیورسٹی میں ہندوستانی زبان کا لکچرر تھا۔ اسے سیّد عبداللہ ہی کی وجہ سے علوم مشرقیہ سے پہلے پہل دلچسپی پیدا ہوئی۔ پامر نے اس غیر معمولی عزم و ہمت کی بنا پر جو اس کی خصوصیت تھی بیک وقت عربی، فارسی اور اُردو تینوں زبانیں سیکھنا شروع کر دیں اور تھوڑے ہی دنوں میں یہی نہیں کہ وہ انگریزی اشعار کا اپنی محبوب عربی زبان میں ترجمہ کرنے لگا بلکہ خود بھی عربی زبان میں شعر کہنے لگا۔ آخر پامر نے یہ طے کرلیا کہ عربی میں مہارت حاصل کرنے کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ یہ زبان براہِ راست عربوں ہی سے سیکھی جائے چنانچہ اس نے اُن عربوں سے جو اس وقت انگلستان میں موجود تھے گہرے تعلقات پیدا کیے ان میں سے ایک حلب کا رہنے والا شامی تھا جس کا نام رزق اللہ حسن حلبی تھا۔ اس سے پامر کے پینگ بہت بڑھ گئے اور پامر کی شخصیت اور تحریر پر اس کا بہت گہرا اثر پڑا۔ پامر نے رزق اللہ سے بہت کچھ تعلیم حاصل کی اور اس کا بہت مداح تھا۔ اس کے کچھ ہی عرصہ بعد پامر کیمبرج یونیورسٹی میں داخل ہوگیا اور زیادہ باضابطہ طور پر علوم عربیہ کی تعلیم حاصل کرنے لگا۔ ایک عرصہ سے اس کی یہ خواہش تھی کہ عربی ممالک کی سیاحت کرے اور اس قوم سے بذات خود تعارف حاصل کرے جس کی زبان اور ادبی سرمایہ کو وہ اتنا پسند کرتا تھا۔ ۱۸۶۹ء میں حسنِ اتفاق سے اسے اس کا موقع مل گیا۔ اس نے اسی سال اور اس کے ایک سال بعد فلسطین کے آثار قدیمہ کی تحقیقات کرنے والی ایک انجمن کی جانب سے دو مرتبہ مشرق قریب کا سفر کیا۔ اس طرح اسے مختلف مقامات کے عربی روز مرّہ اور عربی تمدّن کے متعلق زیادہ تفصیل کے ساتھ مطالعہ کرنے کا پہلا موقع ملا اور اس نے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ انگلستان واپس آنے کے کچھ عرصہ بعد وہ کیمبرج میں عربی کا پروفیسر مقرر ہوگیا۔ اب چند سال تک اس کا کچھ وقت تعلیم و تدریس میں اور کچھ صحافتی کاموں میں صرف ہونے لگا۔ اس نے اس زمانے میں بہت سی اہم کتابیں تیار کیں۔ ۱۸۸۲ء میں اس نے پھر مصر کا سفر کیا۔ اور گھوڑے پر سوار ہو کر جزیرہ نما سینا کی پُر خطر سیاحت اختیار کی۔ وہ اپنے پہلے تحقیقاتی دورے کے سلسلے میں اس علاقہ سے اچھی طرح واقف ہو چکا تھا۔ شیخ عبداللہ کی صحرا نوردی کی داستان آج تک زبانوں پر ہے۔ اس کی موت بھی ایک دردناک واقعہ ہے۔ مشرق قریب میں یہ زمانہ شورشوں اور ہنگاموں کا تھا اس لیے اس زمانے میں سفر غیر معمولی طور پر پُر خطر ہوتے تھے۔ پامر صحرا سے واپس آرہا تھا کہ اسے چند لٹیرے بدوؤں نے قتل کر ڈالا اور اس طرح ۴۲ برس کی ابتدائی عمر میں ایک شاندار زندگی ختم ہو گئی۔

یورپ کے مستشرقین میں پامر اس حیثیت سے شاید انفرادی حیثیت رکھتا ہے کہ اس نے اسی پر اکتفاء نہیں کی کہ عربی زبان کو علمی حیثیت سے حاصل کرے بلکہ اس نے عرب قوم اور عربی زبان کی

روح کی گہرائیوں تک پہنچنے کی کوشش کی۔ اس کا شمار یورپ کے ان چند انے گنے اہل علم میں ہے جو مشرقی زبانوں کو صحت وروانی کے ساتھ لکھ سکتے تھے۔ اس کی اردو کی کچھ تحریریں بھی شائع ہو کر ہندوستان میں بہت مقبول ہوئیں۔ اس نے انگلستان میں شاہ ایران کی سیاحت پر مضمون اردو زبان میں لکھا، وہ اردو ادب میں غیر فانی خیال کیا جاتا ہے۔ پامر عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتا تھا۔ اس سلسلے میں یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ وہ اکثر دوسرے ماہرین علوم عربیہ کو انگریزی میں نجی خطوط لکھتے وقت یہ محسوس کر کے کہ وہ انگریزی میں اپنے خیالات کو پوری طرح ادا نہیں کر سکتا یک بیک عربی زبان میں لکھنے لگتا تھا۔ اس کے ایک دوست اور رفیق کار جی۔ ایف۔ نکل (G. F. Nicholl) نے جو آکسفورڈ میں عربی کا پروفیسر تھا اس کے متعلق لکھا ہے "اس کے ان خطوں سے جو اس نے مجھے انگریزی میں لکھے، اکثر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسے انگریزی میں اظہار خیال کرنے میں کچھ الجھن سی محسوس ہوتی تھی۔ کبھی کبھی وہ فوری جذبات سے متاثر ہو کر یا نقد و تبصرہ کے وقت یک بیک عربی یا فارسی نظم یا نثر پر اتر آتا تھا۔" مثال کے طور پر پامر کے حسبِ ذیل طبع زاد اشعار پیش کیے جا سکتے ہیں۔

لیت شعری هل کفیٰ ماقد جریٰ مُذ جریٰ ماقد کفیٰ من مقلتی
قد یریٰ اعظم حُزنِ اعظمی وفنی جسمی حاشا اصغری

[کاش! مجھے یہ معلوم ہوتا کہ وہ آنسو جو اب تک بہہ چکے ہیں، نیز جن کی اس وقت جھڑی لگی ہوئی ہے، اب کافی ہوں گے۔ اس بھاری غم نے میری ہڈیاں گھلا دیں ہیں اور میرے جسم کو مٹا کر رکھ دیا ہے۔ ہاں! ایک چھوٹی سی شۓ دل (یا زبان؟) باقی رہ گئی ہے۔]

پامر نے اپنی اس مختصر سی زندگی میں اپنی مطبوعہ کتابوں کی ایک بڑی تعداد چھوڑی ان میں سے شاید اہم ترین کتابیں حسب ذیل ہیں۔

اپنی موت سے کچھ پہلے اس نے بہاءالدین زہیر مشہور مصری شاعر کا پورا کلام عربی متن اور انگریزی منظوم ترجمہ کے ساتھ شائع کیا اور اس میں حواشی اور مقدّمہ کا اضافہ کیا۔ اس کتاب کی اشاعت عربوں کے تمدّنی ترکہ کو نئی زندگی بخشنے کے سلسلہ میں ایک اہم اقدام تھا۔ اس کے ایک سال بعد اس نے انگریزی میں عربی صرف و نحو پر ایک کتاب شائع کی جو دوسری کتابوں کے برخلاف عرب علمائے صرف و نحو کے قدیم روایتی طرز پر ترتیب دی گئی تھی۔ اس طرح اس نے یہ کوشش کی کہ انگریز طلبہ کے سامنے عربی صرف و نحو اسی شکل میں پیش کی جائے جس شکل میں خود عرب طلبہ اسے پڑھا کرتے ہیں۔

اس کی موت سے ایک سال پہلے یہ کتاب اضافہ کے ساتھ دوسری بار شائع ہوئی۔ موضوع کے

اعتبار سے حیات ہارون الرشید اس سے کسی حد تک ہلکی ہے۔ اس میں پامر نے اس وقت کے بغداد کی ایک رنگین تصویر کھینچی ہے جب کہ وہ خلفائے عباسیہ میں سب سے بڑے خلیفہ کا پایہ تخت تھا۔ اس نے فارسی اور عربی کی اکثر نظموں کے منظوم ترجمے شائع کیے۔ ایک فارسی کی لغت تالیف کی۔ مشرقی علوم کے ان قلمی نسخوں کی ایک فہرست نہایت تحقیق کے ساتھ مرتب کی جو کیمبرج یونیورسٹی کے کتب خانے میں موجود تھے اور جزیرہ نمائے سینا کی سیاحت کے حالات بطور سفر نامہ شائع کیے۔ پامر کی موت کی خبر نے اس کے بے شمار دوستوں اور قدر دانوں کو جو تمام دنیا میں پھیلے ہوئے تھے سوگوار بنا دیا۔ اس کے مرثیے تقریباً ۱۵ مختلف زبانوں میں جن میں عربی بھی شامل ہے شائع ہوئے۔

ایک دوسرا اہل علم جو اوّل درجہ کی اہمیت رکھتا ہے ولیم رائٹ (William Wright) تھا جو ۱۸۴۰ء سے ۱۸۸۹ء تک زندہ رہا۔ رائٹ (Wright) ہندوستان کے ایک برطانوی افسر کا لڑکا تھا اور ہندوستان ہی میں پیدا ہوا۔ اس کی ماں نے جو خود متعدّد مشرقی زبانوں میں مہارت رکھتی تھی اپنے لڑکے کو بچپن ہی میں علوم مشرقیہ کی تعلیم حاصل کرنے پر آمادہ کر دیا۔ اس نے عربی زبان کی تعلیم انگریزی اور یورپی یونیورسٹیوں میں حاصل کی اور کچھ دنوں لیڈن (Leyden) یونیورسٹی میں ہالینڈ کے بلند پایہ مستشرق رین ہارٹ ڈوزی (Reinhart Dozy) کے تحت کام کیا۔ وہ یکے بعد دیگرے لندن، ڈبلن اور کیمبرج یونیورسٹی میں پروفیسر رہا۔ وہ ابھی ۲۲ ہی برس کا تھا کہ اس نے اپنے ایک دوست کو خط لکھتے ہوئے نہایت شرح و بسط کے ساتھ اپنی آئندہ زندگی کا جو اس نے عربی زبان و ادب کی خدمت کے لیے وقف کر دی تھی ایک نہایت حوصلہ مندانہ خاکہ پیش کیا تھا۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ اس نے باقی عمر اس خاکہ پر عمل کرنے میں کس حد تک کامیابی حاصل کر لی۔ اس کی دو کتابوں یعنی سفر نامہ ابن جبیر اور الکامل للمبرد کی اشاعت نے عربی ادب میں قابل قدر اضافہ کیا ہے۔ اس نے المقری کی تاریخ الاندلس کی اشاعت میں ڈوزی کا ہاتھ بٹایا اور دوسری بہت سی پرانی عربی کتابیں شائع کیں۔ عربی صرف و نحو پر اس کی وہ کتاب جو دو جلدوں میں ہے آج بھی اپنی نوعیت کی بہترین کتاب خیال کی جاتی ہے اور اس سے انگریزی زبان بولنے والے ملکوں کے منتہی طلبہ استفادہ کرتے ہیں۔

عربی زبان کے پروفیسر کی حیثیت سے کیمبرج میں رائٹ (William Wright) کا جانشین رابرٹسن اسمتھ (Robertson Smith) تھا جو ۱۸۴۶ء سے ۱۸۹۴ء تک زندہ رہا۔ یہ اسکاٹ لینڈ کے شہر ابرڈین (Aberdeen) کا رہنے والا تھا۔ پہلے پہل وہیں کی یونیورسٹی میں پھر یورپ کی دوسری یونیورسٹیوں میں اس نے عربی زبان کی تعلیم حاصل کی۔ اس نے ابتداء ہی میں شہرت حاصل کر لی، یہاں تک کہ اڈنبرا میں اس کے قدر دانوں کی ایک جماعت نے ۱۸۸۱ء میں ایک عام جلسہ میں اس کی علمی خدمات کو سراہتے ہوئے عربی کتابوں اور قلمی مسودوں کا ایک ذخیرہ اس کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا۔ ۱۸۷۹ء سے ۱۸۸۱ء تک اس نے متعدّد بار مشرق قریب کا سفر کیا۔ اس اثنا میں اس نے

مصر، فلسطین اور شام کی سیاحت کی بلکہ عرب میں جدّہ اور طائف تک پہنچ گیا۔ اس کی مطبوعات میں "قدیم زمانے کے عربوں میں شادی و قرابت داری (Kinship and Marriage in Early Arabia) اور زمانہ جاہلیت کے تاریخ کے مختلف پہلوؤں پر محققانہ کتابیں ہیں۔ یہ انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا (Encyclopaedia Britannica) کا مدیر اعلیٰ (رئیس مجلس واضعین) تھا اور غالباً یہی ایک شخص تھا جو اس کا دعویٰ کر سکتا تھا کہ اس نے ابتداء سے آخر تک یہ کتاب پڑھی ہے۔ اس کے علم و مطالعہ کی وسعت پر تعجب ہوتا تھا اور خود اس کے دوست و رفیق ہر موضوع پر اس کی وسیع اور عمیق معلومات سن کر دنگ رہ جاتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے بسترِ مرگ پر نیم بے ہوشی کی حالت میں قرونِ وسطیٰ کے انگلستان کی تاریخ پر ایک مبسوط تقریر کر ڈالی۔
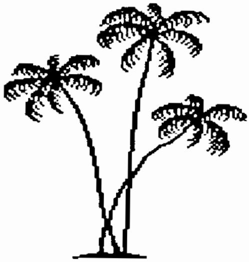
آخر میں ہمیں سر ولیم میور (Sir William Muir) کا ذکر کرنا چاہیے جو ۱۸۱۹ء سے ۱۹۰۵ء تک زندہ رہا۔ یہ اسکاٹ لینڈ کا باشندہ تھا۔ علوم عربیہ کے ماہر ہونے کے علاوہ اس نے ہندوستان میں ایک حاکم کی حیثیت سے بھی نام پیدا کیا۔ وہ ایڈنبرا یونیورسٹی کا ایک نامور اہل علم (اسکالر) تھا۔ اس نے انگریزی میں پیغمبرِ اسلام اور اسلامی تاریخ پر بہت سی کتابیں شائع کیں۔ ان میں سے اکثر کتابیں آج بھی انگلستان اور یورپ کی یونیورسٹیوں کے نصاب میں داخل ہیں۔ سیرتِ رسول پر اس نے جو مبسوط کتاب تالیف کی وہ خاص اہمیت رکھتی ہے اور نمایاں طور پر تعصّب سے پاک ہے۔ اس کی "تاریخِ خلافت" جو ان عربی ماخذوں پر مبنی ہے جن میں سے اکثر اس وقت تک غیر مطبوعہ حالت میں تھے، اپنے موضوع پر آج بھی انگریزی زبان میں بہترین کتاب خیال کی جاتی ہے۔